اسلامی نظم مملکت میں غیر مسلموں کی شرکت: ایک تحقیقی جائزہ

Participation of Non-Muslims In the system of The Islamic Government

Tehmeena Pervez
PhD Scholar, Dept. of Islamic Learning, Faculty of Islamic Studies, University of Karachi:
tehminaparvez90@gmail.com

Dr. Taj Muhammad
Assistant Professor, Dept. of Islamic Learning, Faculty of Islamic Studies, University of Karachi:
taj@uok.edu.pk

Abstract:
The Islamic state came into being on the besis of a specific Ideology and a belief. The system of Islamic state, it's institutions, laws, regulations and moral values are subject to this ideology. Whether it is the basis of the social style or the law and constitution in such a state. Islam is the foundation and the source of guidance in all stages of life.The state is governed by its own principles.The Islamic state is run on the same principles on which the state of Madinah was established.Therefore the system of Islamic state must be in such hands of those who have this ideology and faith on which the state is based.These residents of this state and citizens who established the state and who are muslims will be garantors of the survival of this state.And those residents and citizens who deviate from this view.Then, all kind of responsibility will not be given in their hands.and this is necessary for the survival and development of Islamic state.

Keywords: *Islamic state , Key Positions , Responsibility, Residents*

اسلامی نظم مملکت میں غیر مسلموں کی شرکت: ایک تحقیقی جائزہ

تمہید:

اسلامی مملکت ایک مخصوص نظریے اور عقیدے کی بنیاد پر وجود میں آتی ہے۔ اسلامی مملکت کا نظم، اس کے ادارے ، قوانین و احکام اور اخلاقی اقدار اسی نظریے کے تابع ہوتے ہیں۔ اسی لیے ایسی ریاست میں طرز معاشرت کی اساس ہو یا قانون و دستور کی بنیاد بلکہ زندگی کے تمام مراحل میں ہدایات و رہنمائی کا سرچشمہ اسلام ہی ہوتا ہے۔ اس ریاست کا نظم انہی اصولوں پر چلایا جاتا ہے جن اصولوں پر ریاست مدینہ کو قائم کیا گیا تھا۔ لہذا اسلامی مملکت کا انتظام ایسے ہاتھوں میں ہونا ضروری ہے. جو اس نظریے اور عقیدے کے حامل ہوں جس پر وہ ریاست قائم ہے۔ اس ریاست کے وہ باشندے اور شہری جو مسلمان ہوں گے وہ اس ریاست کی بقاء کے ضامن ہوں گے۔ اور ایسے باشندے اور شہری جو اس نظریے سے ہی منحرف ہوں تو ان کے ہاتھ میں ہر قسم کی ذمہ داری نہیں دی جائے گی اور یہ اسلامی مملکت کی بقاء و ترقی کے لئے ضروری ہے۔

اسلامی مملکت یا ریاست کی تعریف:

اسلامی مملکت یا ریاست کی تعریف ماہرین نے مختلف انداز میں کی ہے۔ امام ابن تیمیہؒ ریاست کے مقصد کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں جس سے اسلامی ریاست کی خود بخود وضاحت ہو جاتی ہے:

" فالوا جب اتخاذ الا مارة دیناً وقر بة یتقرب بها الی االله ---- وان انفروا السلطان عن الدین او الدین عن السلطان فسدت احوال النا س "[1]

" ریاست کا مقصد قرب الٰہی اور اقامت دین ہے۔ اگر سلطنت وحی کی رہنمائی سے محروم ہو یا خود دین حکومت کی پشت پناہی سے عاری ہو تو لوگوں کے احوال فاسد ہو جائیں گے ۔"

---

[1] ۔ابن تیمیه ، تقی الدین ، السیا سة الشر عیة، الجامعة الا سلا میة بالمدینة المنورة ، ۱۹۶۰، ص ۱۶۱-۱۶۴

اسلامی ریاست اسلامی معاشرہ کو فروغ دیتی ہے۔ اسلامی معاشرے میں ہر مذہب سے تعلق رکھنے والے افراد موجود ہوتے ہیں اور اسلام تمام شہریوں کے درمیان مساوات قائم کرتا ہے۔ یوسف قرضاوی لکھتے ہیں:

" اسلامی معاشرہ ایک ایسا معاشرہ ہے جو اسلام کو اپنے منہج حیات، دستور حکومت، قانون سازی اور زندگی کے تمام شعبوں اور انفرادی و اجتماعی، مادی و غیر مادی، مقامی و بین الاقوامی تعلقات کے سرچشمے کے طور پر اپنا چکا ہو۔ مگر اسکا یہ مطلب نہیں کہ اسلامی معاشرہ اپنے اندر بسنے والے دوسرے مذاہب سے تعلق رکھنے والے تمام عناصر کا قلع قمع کرنے کے درپے ہوتا ہے۔ وہ اپنے مسلم اور غیر مسلم شہریوں کے باہمی تعلقات کی بنیاد رواداری، عدل، نیکی اور رحمت پر رکھتا ہے۔" [2]

اسلام مسلم اور غیر مسلم شہریوں میں رواداری، مساوات اور انصاف کا درس دیتا ہے اور اسلامی ریاست کے نہ صرف مسلم باشندے بلکہ غیر مسلم باشندوں کو بھی حقوق عطا کرتا ہے۔ ان کے حقوق کی حفاظت سے متعلق نبی کریم ﷺ کی تعلیمات اسلامی قانون کا حصہ ہیں۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعود سے روایت ہے کہ کہ حضورِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"من آذى ذمياً فأنا خصمه، و من كنت خصمه خصمته يوم القيامة" [3]

"جس شخص نے کسی ذمی کو ستایا تو قیامت کے روز اس کی طرف سے میں دعوے دار بنوں گا، اور جس مقدمہ میں میں دعوے دار ہوں تو میں ہی غالب رہوں گا"۔

ایک اور حدیث میں فرمایا:

---

[2] یوسف القرضاوی، اسلامی معاشرہ میں غیر مسلموں کے حقوق و فرائض، مترجم: قیصر شہزاد، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۱۱ء، ص:۴

[3] السيوطي، جلال الدين، الجامع الصغير، ج ٢، ص :٤٧٣.

"ألا من ظلم معاهداً أونتقصه أو كلفه فوق طاقته أو أخذ منه شيئاً بغير طيب نفس منه فأنا حجيجه يوم القيامة[4]."

"خبر دار جو کسی غیر مسلم معاہد پر ظلم کرے، یا اس کے حق میں کمی کرے یا اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالے، یا اس سے کوئی چیز بغیر اس کی دلی رضامندی کے حاصل کرے تو قیامت کے روز میں اس کا وکیل ہوں گا۔"

حضرت علی سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"منعني ربي أن أظلم معاهداً ولا غيره[5]"

"مجھے میرے پروردگار نے منع فرمایا ہے کہ میں کسی معاہد یا کسی دوسرے پر ظلم کروں."

غیر مسلم شہریوں کے متعلق ان ہدایات کے باوجود غیر مسلموں کو رازدار، دوست و مشیر بنانے سے منع کیا گیا ہے۔ سورۃ آل عمران میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ "[6]

" اے ایمان والو! اپنے سے باہر کسی شخص کو رازدار نہ بناؤ، یہ لوگ تمہارے ساتھ بدخواہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے، ان کی دلی خواہش یہ ہے کہ تم تکلیف اٹھاؤ۔ بغض ان کے منہ سے ظاہر ہو چکا ہے، اور جو کچھ (عداوت) کے ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں وہ کہیں زیادہ ہے۔ ہم نے پتے کی باتیں تمہیں کھول کھول کر بتادی ہیں، بشرطیکہ تم سمجھ سے کام لو۔"[7]

---

[4] سنن ابی داؤد، کتاب الامارۃ ،حدیث :۲۷۰۲

[5] الرئیسیۃ المستدرک علی الصحیحین ،حدیث : ۴۲۱۱

[6] القرآن، سورۃ آل عمران:۱۱۸

[7] مفتی محمد تقی عثمانی، آسان ترجمہ قرآن، مکتبہ معارف القرآن کراچی، جولائی ۲۰۱۴ء، ص:۱۱۵

" بِطَانَةً کہتے انسان کے رازدار دوست کو، اور مِّنْ دُوْنِكُمْ سے مراد اہل اسلام کے سوا تمام فرقے ہیں۔ "[8]

اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق:

اسلامی ریاست جہاں مسلمانوں کو حقوق فراہم کرتی ہے وہیں غیر مسلموں کے حقوق کی بھی نگہداشت کرتی ہے۔ خلفائے راشدین کے دور میں غیر مسلموں کے حقوق کی حفاظت پر خاص توجہ دی گئی۔ مولانا جلال الدین" تحقیقات اسلامی کے فقہی مباحث "میں اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اسلامی قانون یہ ہے کہ ذمی اپنے مذہب پر عمل کے لئے آزاد ہیں۔ وہ عبادت گاہیں اپنی آبادیوں میں تعمیر کرسکتے ہیں اور انہیں آباد رکھ سکتے ہیں۔ جہاں تک ان کے نکاح، طلاق، وراثت وغیرہ عائلی قوانین، جنہیں پرسنل لاء کہا جاتا ہے، کا تعلق ہے اس میں وہ آزاد ہوں گے۔ البتہ اسلامی عدالت سے وہ کوئی فیصلہ کرانا چاہیں تو وہ اسلامی قانون کے تحت فیصلہ کرے گی، ان کے قانون کی اتباع نہ کرے گی۔ نکاح اور ازدواجی تعلق کے معاملہ میں ذمی اسلامی قانون کے پابند نہ ہوں گے۔ انہیں اپنے مذہب اور روایات پر عمل میں آزادی ہوگی۔ قرض یا لین دین کے معاملات میں اسلامی قانون کے تحت ان کے نزاعات کا فیصلہ لازما کیا جائے گا، اسلئے کہ ظلم اور فساد کو ختم کرنے کے لئے یہ ضروری ہے۔ بعض فقہاء کے ہاں ذمیوں کو اس سے زیادہ حقوق اور اختیارات دئے گئے ہیں۔ وہ یہ کہ ذمی اگر ہماری طرف رجوع کریں بھی تو فیصلہ کرنا ضروری نہیں ہے، اسے ان کے مذہبی رہنماؤں کے حوالہ کیا جاسکتا ہے۔ اس معاملہ میں احناف کا نقطہ نظر یہ ہے کہ بیوع، تجارت، لین دین کے معاملات اور وراثت وغیرہ میں ذمی اسلامی احکام کے پابند ہوں گے۔ البتہ انہیں شراب اور خنزیر کی خرید و فروخت کی اجازت ہوگی۔ اسلئے کہ یہ ان کے ساتھ معاہدہ میں شامل ہے۔ لیکن مسلمانوں ہی کی طرح انہیں بھی زنا اور بدکاری کی اجازت نہ ہوگی،، انکے جو نکاح

[8] علامہ عماد الدین ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، مترجم: مولانا محمد صاحب جوناگڑی، عبد اللہ اکیڈمی، لاہور، ۲۰۰۸ء، ج:۱، ص:۴۳۳

پہلے ہو چکے ہیں ان سے تعریض نہیں کیا جائے گا، لیکن اگر وہ ہماری طرف رجوع کریں تو اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔"[9]

اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے سیاسی حقوق:

اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کو ایک شہری ہونے کی حیثیت سے مذہبی، معاشی اور معاشرتی حقوق تو حاصل ہوں گے لیکن سیاسی اور مدنی حقوق کے سلسلے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

ایک رائے تو یہ پائی جاتی ہے کہ غیر مسلم اسلامی ریاست کا شہری ہونے کے ناطے مذہبی و معاشرتی حقوق کے ساتھ ساتھ سیاسی و مدنی حقوق بھی حاصل ہونے چاہیئے اور اس معاملے میں مسلم اور غیر مسلم میں کوئی فرق روا نہیں رکھنا چاہیے اور صرف مذہب کی وجہ سے ان کے قانونی حقوق میں ان سے امتیازی سلوک نہ رکھا جائے۔

یہ رائے ان لوگوں کی ہے جو مغربی جمہوری ریاست اور اسلامی ریاست میں کوئی فرق نہیں سمجھتے۔ ایک مغربی جمہوری ریاست میں تو یہ ممکن ہے کہ ایسا کوئی تفریق نہ رکھی جائے لیکن ایک نظریاتی ریاست میں ایسا ممکن نہیں۔ بقول مولانا ابو الاعلی مودودیؒ:

"قومی ریاست میں تو اس کا امکان ہو سکتا ہے کہ جمہوری اصول اختیار کرتے ہوئے مذہبی اقلیتوں کو ان کی تعداد کے تناسب سے حصہ دے دیا جائے، تاہم اسلامی ریاست اس حوالے سے لین دین یا معاملہ بالمثل کے اصول پر اپنی پالیسی طے نہیں کرے گی، اور ان اصولوں میں ذرہ برابر بھی کوئی تغیر نہ کرے گی جو ذمیوں سے معاملہ کرنے کے لیے قرآن و حدیث میں مقرر کر دیے گئے ہیں۔ آپ کا جی چاہے تو ہندو ریاست میں صدر جمہوریہ اور وزیر اعظم

---

[9] مولانا سید جلال الدین عمری، تحقیقات اسلامی کے فقہی مباحث، اسلامک ریسرچ اکیڈمی کراچی، دسمبر ۲۰۱۰ء، ص: ۷۵

اور کمانڈر انچیف سب ہی کچھ مسلمان باشندوں کو بنا دیں۔ بہر حال اس کے جواب میں کوئی ایک ذمی بھی کسی ایسی پوزیشن پر مقرر نہیں کیا جائے گا جو اسلامی ریاست کی پالیسی کی شکل اور سمت معین کرنے میں دخل رکھتی ہو" [10]

اس سلسلے میں دوسرا موقف یہ ہے کہ اسلامی ریاست میں غیر مسلم شہریوں کو کسی قسم کی سیاسی ذمہ داری تفویض نہ کی جائے اور ریاستی امور میں ان سے کسی قسم کا تعاون حاصل کرنے سے بچا جائے۔ کیوں کہ شریعت اسلامی میں کسی غیر مسلم کو مسلمانوں پر حاکمیت و ولایت حاصل نہیں ہے اور غیر مسلموں کے ساتھ میل جول، دوستی اور قریبی تعلقات قائم کرنے کی قرآن وحدیث میں ممانعت ہے اور ان سے مشورہ کرنے اور راز دار بنانے سے روکا گیا ہے۔ اسی لیے قرآن وحدیث کی روشنی میں محدثین ومفسرین نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ اسلامی ریاست میں کسی بھی غیر مسلم کو کسی قسم کا عہدہ دینا جائز نہیں۔ کیوں کہ سرکاری منصب دینے کا مطلب ان کو مسلمانوں پر ولایت دینا ہے، جو جائز نہیں اور جب سرکاری منصب دیا جائے گا تو حکومتی معاملات میں ان سے بعض اوقات مشورہ بھی کیا جائے گا اور وہ قومی رازوں سے واقف ہوں گے جبکہ ان کو مشیر اور معتمد بنانے کی ممانعت ہے نیز اس سے ملک و قوم کو نقصان پہنچنے کا قوی اندیشہ ہے۔ اس موقف کی تائید میں قرآن کریم کی کئی ایات سے استدلال کیا جاتا ہے۔ جن میں سورۃ ال عمران کی آیت نمبر ۱۱۸ سر فہرست ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

"یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَۃً مِّنْ دُوْنِکُمْ لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاہِہِمْ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُھُمْ اَکْبَرُ قَدْ بَیَّنَّا لَکُمُ الْاٰیَاتِ اِنْ کُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ"[11]

" اے ایمان والو! اپنے سے باہر کسی شخص کو رازدار نہ بناؤ، یہ لوگ تمہارے ساتھ بدخواہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے، ان کی دلی خواہش یہ ہے کہ تم تکلیف اٹھاؤ۔ بغض ان کے منہ سے ظاہر ہو چکا ہے، اور جو کچھ

---

[10] سید ابو الاعلی مودودیؒ، اسلامی ریاست: فلسفہ نظار کار اور اصول و حکمرانی، اسلامک پبلیکیشنز پرائیوٹ لمیٹڈ، لاہور، ص: ۵۵۱

[11] القرآن، سورۃ آل عمران: ۱۱۸

(عداوت) کے ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں وہ کہیں زیادہ ہے۔ ہم نے پتے کی باتیں تمہیں کھول کھول کر بتادی ہیں، بشرطیکہ تم سمجھ سے کام لو۔"[12]

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنی ملت والوں کے سوا کسی کو اس طرح کا معتمد اور مشیر نہ بناؤ کہ اس سے اپنے اور اپنی ملت و حکومت کے راز کھول دو، اسلام نے اپنی عالم گیر رحمت کے سایہ میں جہاں مسلمانوں کو غیر مسلموں کے ساتھ ہمدردی، خیر خواہی، نفع رسانی اور مروت و رواداری کی غیر معمولی ہدایات فرمائی ہیں اور نہ صرف زبانی ہدایات بلکہ رسول کریم ﷺ نے تمام معاملات میں اس کو عملی طور پر رواج دیا ہے وہیں عین حکمت کے مطابق مسلمانوں کی اپنی تنظیم اور ان کے مخصوص شعائر کی حفاظت کے لیے یہ احکام بھی صادر فرمائے کہ قانونِ اسلام کے منکروں اور باغیوں سے تعلقات ایک خاص حد سے آگے بڑھانے کی اجازت مسلمان کو نہیں دی جاسکتی کہ اس سے فرد اور ملت دونوں کے لیے ضرر اور خطرے کھلے ہوئے ہیں۔ اور یہ ایسا صریح، معقول، مناسب اور ضروری انتظام ہے جس سے فرد اور ملت دونوں کی حفاظت ہوتی ہے۔"[13]

اس آیت کے ذیل میں قاضی ابو یعلی یوں کہتے ہیں:

" و فی هذه الایةدلالة علی انه لا یجوز الاستعانه باهل الذمه فی امور المسلمین من العلامات والکتبه۔"[14]

اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ ذمیوں میں سے جو کاریگر اور محرر (وغیرہ) ہیں ان سے مسلمانوں کے معاملات میں مدد لینا جائز نہیں ہے۔

---

[12] مفتی محمد تقی عثمانی، آسان ترجمہ قرآن، مکتبہ معارف القرآن کراچی، جولائی ۲۰۱۴ء، ص:۱۱۵

[13] حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی پاکستان، جنوری ۱۹۹۹ء، ج:۲، ص:۱۵۷۔۱۵۸

[14] ابن جوزی، ابو الفرج جمال الدین، زاد المسیر فی علم التفسیر، المکتب الاسلامی بیروت، ۱۹۸۷ء، ج: ۱، ص:۴۴۷

مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"یہاں جو غیر مذہب والوں سے خصوصیت کی ممانعت فرمائی ہے، اس میں یہ بھی داخل ہے کہ ان کو اپنا ہم راز بنایا جائے اور اس میں یہ بھی داخل ہے کہ اپنے خاص امور انتظامی میں ان کو دخل دیا جائے۔"[15]

مولانا شفیع عثمانیؒ اس حکم کی علت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"آیتِ مذکورہ میں اس حکم کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے ﴿لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا﴾ یعنی وہ لوگ تمہیں وبال وفساد میں مبتلا کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں رکھتے، اور تمہارے دکھ پہنچنے کی آرزو رکھتے ہیں، بعض تو ان کی زبانوں سے ظاہر ہو پڑتا ہے، اور جو کچھ وہ اپنے دل میں چھپائے ہوئے ہیں وہ اور بھی بڑھ کر ہے، ہم تو تمہارے لیے نشانیاں کھول کر ظاہر کر چکے ہیں، اگر تم عقل سے کام لینے والے ہو۔"[16]

مولانا ادریس کاندھلوی لکھتے ہیں:

"فقہاءِ کرام نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ مسلمان حاکم کے لیے یہ جائز نہیں کہ اہلِ ذمہ میں سے کسی کافر کو اپنا منشی اور پیش کار بنائے، اس لیے کہ وہ کافر مسلمانوں کا خیر خواہ نہ ہو گا، اور اسلامی حکومت کے راز اور امور مملکت سے اپنی ہم قوم حکومت کو مطلع کرے گا، بلکہ جن مسلمانوں وزیروں اور امیروں نے کسی غیر مسلم عورت سے نکاح کر لیا یا اس کو اپنے گھر میں رکھ لیا تو پھر اسلامی حکومت کے راز غیر مسلموں پر ظاہر ہوئے اور اسلامی حکومت کو شدید نقصان پہنچا، اور ان غیر مسلم عورتوں نے مسلمان شوہر سے زائد اپنے ہم مذہب کافروں کی مصلحت کا لحاظ رکھا، جیسا کہ تجربہ اور تاریخ اس کی شاہد ہے، اور فاروقِ اعظم کا بھی یہی مسلک تھا کہ وہ غیر مسلم منشی اور پیش کار بنانے کو ناپسند فرماتے تھے، اور اسی آیت سے استدلال فرماتے تھے۔"[17]

---

[15] مولانا شاہ اشرف علی تھانوی، بیان القرآن، مکتبۃ الحسن، لاہور ۱۴۰۵ھ، ج:۱، ص:۲۲۵

[16] حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ، معارف القرآن، ج:۲، ص:۱۵۹

[17] مولف مولانا ادریس کاندھلوی، معارف القرآن، مکتبۃ المعارف، پاکستان، ج:۲، ص:۴۱

عہد فاروقی میں جب رجسٹرات مرتب کرنے کا کام شروع کیا گیا تو حضرت عمر فاروقؓ کو مشورہ دیا گیا کہ یہاں انبار کا رہنے والا ایک شخص موجود ہے جسے دفتر کے حساب کتاب میں بہت مہارت ہے اسے آپ کاتب بنالیں۔" تو حضرت عمرؓ نے فرمایا:

" اگر میں ایسا کروں تو مسلمانوں کو چھوڑ کر غیر مسلم کو راز دار بنالوں گا۔" [18]

حضرت ابو موسیٰ اشعری جب عامل تھے تو اپنے کاتب کے ساتھ حضرت فاروقِ اعظم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اتفاق سے حضرت عمر فاروقِ کے پاس ایک خط آیا ہوا تھا، آپ اسے پڑھوانا چاہتے تھے، حضرت ابو موسیٰ اشعری نے اپنے کاتب کی نشان دہی فرمائی۔ سارے لوگ مسجد میں چلے گئے، حضرت ابو موسیٰ نے عرض کی کہ امیر المؤمنین وہ کاتب تو نصرانی ہے، مسجد میں نہیں جاسکتا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو اس ذمہ داری سے فوراً معزول کر دو اور صرف اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ تمام عمال کو خط لکھا: "لا تستعملوا أهل الكتاب"۔ یعنی اہل کتاب سے اس طرح کے کام نہ لیا کرو۔ [19]

امام قرطبی مسلمانوں میں اس تعلیم کی خلاف ورزی اور اس کے برے نتائج اس طرح بیان فرماتے ہیں:

"وقد انقلبت الأحوال في هذه الأزمان باتخاذ أهل الكتاب كتبةً وأمناء، وتسودوا بذلک عند جهلة الأغنياء من الولاة والأمراء "[20]

"یعنی اس زمانہ میں حالات میں ایسا انقلاب آیا کہ یہود و نصاری کو راز دار اور امین بنالیا گیا، اور اس ذریعہ سے وہ جاہل اغنیاء و امراء پر مسلط ہو گئے۔"

مولانا ادریس کاندھلوی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[18] ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج:۳، ص:۳۲۷

[19] مولانا مفتی محمودؒ، تفسیر محمود، جمعیت پبلیکیشنز لاہور، مارچ ۲۰۱۱ء، ج:1، ص:۴۳۵

[20] حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ، معارف القرآن، ج:۲، ص:۱۵۹

"چنانچہ شریعت اسلامی کا یہ حکم کہ غیر مسلم کو اپنا دوست اور راز دار نہ بنایا جائے اور امورِ مملک میں اس کو دخیل نہ بنایا جائے عین حق اور عین حقیقت ہے، یہ امر بالکل بدیہی ہے کہ غیر مذہب والا اپنے مذہب اور اپنے اہلِ مذہب ہی کی خیر خواہی کرتا ہے، اور دوسرے اہلِ مذہب کی خیر خواہی نہیں کرتا، ۔۔۔۔۔ افسوس کہ آج کل کے نام نہاد مسلمان جب اس قسم کا حکم سنتے ہیں تو اس کو تعصب اور تنگ نظری سمجھتے ہیں، حالانکہ اگر ان کو اپنے حقیقی بھائی کی خیر خواہی پر اطمینان نہ ہو تو اس کو بھی اپنا بطانہ بنانا گوارا نہیں کرتے، مگر جب اللہ یہ فرماتا ہے کہ "اے مسلمانوں جو شخص اسلام کا اور مسلمانوں کا خیر خواہ نہ ہو، بلکہ ان کا دشمن اور حاسد ہو اس کو اسلامی حکومت میں کوئی عہدہ اور منصب نہ دو" تو یہی لوگ اللہ کے اس قانون پر نکتہ چینی کرنے لگتے ہیں۔"[21]

سید قطب شہید اس آیت کی تطبیق عصر حاضر پر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ ایک مکمل تصویر ہے، جو انسان کی اندرونی کیفیات کی مظہر ہے۔ جو انسان کے ظاہری خدوخال کو بھی پیش کرتی ہے اور اس باطنی کیفیات کو بھی اچھی طرح دکھاتی ہے اور انسان کے ظاہری تاثرات کو بھی دکھاتی ہے۔ اور انسان کے آنے اور جانے والی حرکات کا اظہار بھی اس سے ہوتا ہے۔ اس تصویر میں انسان کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔ جو آئے دن ہر جگہ اور ہر زمانہ میں ہماری نظروں کے سامنے آتا رہتا ہے اور جماعت مسلمہ کے ارد گرد پھیلے ہوئے ہیں۔ دشمنوں میں کل بھی یہ نمونہ نظر آتے تھے اور آج بھی نظر آتے ہیں۔ یہ ایسے نمونہ ہیں کہ جب مسلمانوں کو غلبہ نصیب ہو تو وہ ان کے دوست بن جاتے ہیں۔ لیکن ان کے دل کی دھڑکن ان کی تکذیب کرتی ہے اور ان کا ہر عضو ان کو جھٹلاتا ہے۔ لیکن مسلمان ان سے دھوکہ کھاتے ہیں، ان سے محبت کرتے ہیں اور ان پر اعتماد کرتے ہیں لیکن اس کے مقابلہ میں وہ لوگ مسلمانوں کے لئے صرف بے چینی اور ناکامی ہی کو پسند کرتے ہیں اور وہ مسلمانوں کو

[21] مولف مولانا ادریس کاندھلوی، معارف القرآن،، ج:۲، ص:۴۱

نافرمان بنانے اور ان کے راستوں میں کانٹے بچھانے میں کوئی فرد گزاشت نہیں کرتے۔ وہ ہر وقت ان کے خلاف سازشیں کرتے ہیں۔ جب بھی انہیں فرصت ملے چاہے رات کو ملے یا دن کو ملے۔" [22]

جبکہ مولانا مودودیؒ کی رائے یہ ہے:

"اسلامی مملکت میں غیر مسلم گروہوں کو تمام مدنی حقوق (Civil Rights) مسلمانوں کی طرح حاصل ہوں گے مگر سیاسی حقوق (Political Rights) مسلمانوں کے برابر نہیں ہوسکتے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ اسلام میں ریاست کے نظام کو چلانا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے اور مسلمان اس بات پر مامور ہیں کہ جہاں بھی ان کو حکومت کے اختیارات حاصل ہوں، وہاں وہ قرآن اور سنت کی تعلیمات کے مطابق حکومت کا نظام چلائیں۔ چونکہ غیر مسلم نہ قرآن اور سنت کی تعلیمات پر یقین رکھتے ہیں اور نہ اس کی اسپرٹ کے مطابق ایمانداری سے کام چلاسکتے ہیں اس لئے وہ اس ذمہ داری میں شریک نہین کئے جاسکتے۔ البتہ نظم و نسق میں ایسے عہدے ان کو دیئے جاسکتے ہیں جن کا کام پالیسی بنانا نہ ہو۔ اس معاملہ میں غیر مسلم حکومتوں کا طرز عمل منافقانہ ہے اور اسلامی حکومت کا طرز عمل صاف صاف ایمان دارانہ۔ مسلمان اس بات کو صاف صاف کہتے ہیں اور اس پر عمل درآمد کرنے میں خدا کے سامنے اپنی ذمہ داری ملحوظ رکھتے ہوئے غیر مسلموں کے ساتھ انتہائی شرافت اور فراخ دلی کا برتاؤ کرتے ہیں۔"[23]

اسلامی مملکت میں مختلف عہدوں پر غیر مسلموں کی تقرری:

اسلامی ریاست کا ہی ایک نام حکومت الہیہ ہے۔ حکومت الہیہ کی حیثیت اور اسکو چلانے کی زمہ داری کے حوالے سے مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

---

[22] سید قطب شہید، فی ظلال القرآن، ادارہ منشورات اسلامی، لاہور، اپریل ۱۹۹۷ء، ج:1، ص:۶۹۳

[23] اسلامی ریاست: فلسفہ نظار کار اور اصول و حکمرانی، ص:۵۵۹

"اگر حکومت الہیہ قائم ہو تو اسکی حیثیت یہ نہ ہو گی کہ ایک قوم دوسری قوم یا اقوام پر حکمران ہے، بلکہ اس کی اصل حیثیت یہ ہو گی کہ ملک پر ایک اصول کی حکومت قائم ہے۔ ظاہر بات ہے کہ ایسی حکومت کو چلانے کی ذمہ داری باشندگان ملک میں سے وہی لوگ اٹھا سکیں گے جو اس اصول کو مانتے ہوں۔ وہی اس کی روح کو سمجھ سکتے ہیں، انہی سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ پورے خلوص کے ساتھ اپنا دین و ایمان سمجھتے ہوئے اس "ریاست" کے کام کو چلائیں گے اور انہی سے یہ امید کی جاسکتی ہے اس ریاست کی حمایت کے لئے اگر ضرورت پڑے تو میدان جنگ میں قربانی دے سکیں گے۔" [24]

یہ ایک فطری امر ہے کہ جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کو مانتے ہیں اور اسلام کی صداقت پر یقین و ایمان ہے. وہی اس دین کے نام پر قائم ہونے والی ریاست کا انتظام خلوص کے ساتھ چلا سکتے ہیں۔ رہے وہ لوگ جنہیں اسلام کی حقانیت پر ہی شبہ ہے اور اسے خدا کا دین نہیں مانتے، ان پر اسلامی مملکت چلانے کی ذمہ داری نہیں ڈالی جا سکتی ۔لیکن کیا دیگر ریاستی امور میں ان کو کوئی ذمہ داری دی جاسکتی ہے یا ان کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے یا نہیں ؟اس حوالے سے مختلف آراء کا ایک جائزہ درج ذیل ہے:

کلیدی عہدے:

مولانا مودودیؒ کلیدی عہدوں پر غیر مسلم کی تقرری سے متعلق ایک عالمگیر ضابطہ بیان کرتے ہیں:

"اسلامی حکومت چونکہ ایک اصولی حکومت (Ideological State) ہے اس وجہ سے وہ اپنی کلیدی آسامیاں جن کا تعلق "پالیسی تعین" (Initial Formation Of Policy) سے ہے اس وجہ سے وہ اپنی کلیدی آسامیاں انہی لوگوں کے سپرد کرتی ہے جو ان اصولوں پر ایمان رکھتے ہوں جن پر اسلامی حکومت کی تشکیل ہوئی ہے۔ جس

[24] ایضا، ص:۵۴۷

طرح روس کی اشتراکی حکومت کے لئے یہ ناممکن ہے کہ وہ اپنی وزارت خارجہ کا قلمدان کسی ایسے شخص کے سپرد کردے جو اشتراکیت کا مخالف ہو یا اس پر ایمان نہ رکھتا ہو، اس طرح اسلامی حکومت کے لئے بھی یہ ناممکن ہے کہ وہ اپنے کسی عہدہ کو، جس کا تعلق حکومت کی پالیسی کے تعین سے ہے، کسی ایسے شخص کے حوالے کردے، جو اسلام کا مخالف ہے یا اس پر ایمان نہیں رکھتا ہے۔ دنیا کی کوئی حکومت، جو کسی خاص اصول اور نظریہ پر مبنی ہو، ایسا نہیں کرسکتی اور نہ اس سے یہ مطالبہ کرنا جائز اور صحیح ہوسکتا ہے۔ اس حد سے باہر ایک مسلم اور غیر مسلم میں جو فرق بھی ہوگا وہ صرف قابلیت، حسن کارگردگی اور اعتماد کی بنا پر ہوگا، نہ کہ مجرد مسلم اور غیر مسلم ہونے کی بنا پر۔"[25]

حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

"ایک اسلامی ریاست کے امیر اور ذمہ دار کلیدی عہدوں پر غیر مسلموں کا تقرر کرنا اور اس سے تعاون حاصل کرنا عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے۔ کیونکہ غیر مسلم تو موقع کی تلاش میں رہیں گے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور ان کا راز فاش کرنے میں کوئی دقیقہ خالی نہیں چھوڑیں گے۔"[26]

جبکہ مفتی شفیع عثمانی لکھتے ہیں:

"آج بھی کسی ایسی مملکت میں جس کا قیام کسی خاص نظریہ پر ہو وہاں اس نئی روش کے زمانے میں بھی کسی ایسے شخص کو جو اس نظریہ کو قبول نہیں کرتا، مشیر اور معتمد نہیں بنایا جاسکتا۔ روس اور چین میں کسی ایسے شخص کو جو کمیونزم پر ایمان نہیں رکھتا ہو، کسی ذمہ دار عہدہ پر فائز نہیں کیا جاتا، اور اس کو مملکت کا رازدار اور مشیر نہیں بنایا جاتا۔"[27]

---

[25] مولانا امین احسن اصلاحی، اسلامی ریاست، لاہور، دار التذکیر ۲۰۰۶ء، ص:۲۱۷

[26] تفسیر محمود، ج:۱، ص:۴۳۵

[27] حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ، معارف القرآن، ج:۲، ص:۱۵۹

مختصر یہ کہ "حکومت الہیہ کسی قوم کا اجارہ نہیں ہے، جو بھی اس کے اصول کو تسلیم کرے وہ اس حکومت کو چلانے میں حصہ دار ہو سکتا ہے۔ خواہ وہ ہندو زادہ ہو یا سکھ زادہ۔ لیکن جو اس کے اصول کو تسلیم نہ کرے وہ خواہ مسلم زادہ ہی کیوں نہ ہو، حکومت کی محافظت (Protection) سے فائدہ تو اٹھا سکتا ہے لیکن اس کے چلانے میں حصہ دار نہیں ہو سکتا۔"[28]

مجلس شوریٰ:

اسلامی ریاست کے نظم مملکت کے اصولوں میں شورائیت ایک اہم اصول ہے۔ اسلامی ریاست کا ایک غیر مسلم شہری مجلس شوریٰ کا رکن بن سکتا ہے یا نہیں؟ اس حوالے سے مولانا مودودیؒ وضاحت سے لکھتے ہیں:

"اسلامی نظریہ کی رو سے مجلس شوریٰ میں غیر مسلموں کی نمائندگی صحیح نہیں ہے۔ لیکن موجودہ زمانہ کے حالات میں اس کے لئے گنجائش نکالی جاسکتی ہے۔ بشرطیکہ ملک کے دستور میں اس بات کی واضح اور صریح ضمانت موجود ہو:

(الف) پارلیمنٹ قرآن و سنت کے خلاف کوئی قانون سازی کرنے کی مجاز نہ ہو گی اور ہر فیصلہ جو اس حد سے متجاوز ہو، قانونی سند حاصل کرنے سے محروم رہے گا۔

(ب) ملک کے قانون کا اولین ماخذ قرآن و سنت ہوں گے۔

(ج) قوانین کی آخری توثیق کا اختیار جس شخص کو حاصل ہو گا وہ لازماً مسلمان ہو گا۔

جہاں تک بلدیات اور مقامی مجالس (Local Bodies) کا تعلق ہے ان میں غیر مسلموں کو نمائندگی اور رائے دہی کے پورے حقوق دئے جاسکتے ہیں۔"[29]

---

[28] اسلامی ریاست: فلسفہ نظار کار اور اصول و حکمرانی، ص: ۵۵۰

[29] ایضا، ص: ۶۲۱۔۶۲۲

اسی طرح وہ مزید لکھتے ہیں:

"اس طرح جو اسمبلی شوری کے لئے منتخب کی جائے گی اس میں بھی اہل ذمہ کو رکنیت یا رائے دہندگی کا حق نہیں ملے گا۔ البتہ ذمیوں کی الگ کونسلیں بنادی جائیں گی جو ان کی تہذیبی خود اختیاری کے انتظام کی دیکھ بھال بھی کریں گی اور اس کے علاوہ ملکی نظم ونسق کے متعلق اپنی خواہشات، اپنی ضروریات، شکایات اور اپنی تجاویز کا اظہار بھی کر سکیں گی۔ جن کا پورا پورا لحاظ اسلامی مجلس شوری (Assembly) کرے گی۔"[30]

مجلس قانون ساز:

اسلامی ریاست میں حاکمیتِ اعلیٰ کی حیثیت اللہ رب العزت کو حاصل ہے۔ اس لیے قوانین بھی اللہ تعالی کے بنائے ہوئے نافذ ہوتے ہیں۔ رہے وہ معاملات جن کے بارے میں قرا ان وسنت میں کوئی واضح حکم موجود نہیں ہے تو ایسے معاملات میں مجلس قانون ساز قرآن وسنت کی تعلیمات کی روشنی میں قانون سازی کرتی ہے۔ اور مجلس قانون ساز کا ممبر کوئی غیر مسلم ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس حوالے سے مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

"مطلق قانون سازی کا حق، ہر شخص کو معلوم ہے، اسلامی ریاست کے اندر کسی کو بھی حاصل نہیں ہوتا، نہ کسی مسلم کو نہ غیر مسلم کو۔ جن معاملات میں اللہ اور رسول ﷺ کے احکام موجود ہوں گے، اسلامی حکومت ان معاملات میں ان کو بلا کم وکاست جاری کرے گی۔ جن معاملات میں کوئی صریح قانون موجود نہ ہو گا، ان کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول کی شریعت میں درک رکھنے والوں اور حالات اور مصالح پر اسلامی نظر سے غور کرنے والوں کا یہ کام ہو گا کہ وہ بتائیں کہ ان میں اسلامی شریعت کے مزاج سے کیا بات قریب تر ہو سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کام میں غیر مسلم نہ کوئی مدد دے سکتے ہیں اور نہ انہیں اس کام میں شریک کرنے کے کوئی معنی ہیں۔"[31]

---

[30] ایضا، ص ۵۵۰

[31] اسلامی ریاست، ص ۲۲۶

سپریم کورٹ کا چیف جسٹس، سپریم کورٹ کے اس شریعت اپیلٹ بنچ کا سربراہ بھی ہوتا ہے جس کی اصل ذمہ داری اسلامی احکام و قوانین کی تعبیر و تشریح اور ان کی بنیاد پر ماتحت عدالتوں کے فیصلوں کا جائزہ لینا ہے۔ پاکستان کی سپریم کورٹ کے چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کے مارچ 2007 میں جب معطل ہوئے تو ایک ہندو جج کے قائم مقام چیف جسٹس کا منصب سنبھالنے کی ناموزونیت پر آواز اٹھائی گئی۔ مولانا زاہد الراشدی نے اس صورت حال کی ناموزونیت پر استدلال پیش کیا کہ برطانیہ کا بادشاہ ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ کیتھولک عیسائی نہ ہو، کیونکہ وہ ملک کا سربراہ ہونے کے ساتھ ساتھ چرچ آف انگلینڈ کا بھی سربراہ ہوتا ہے جو کیتھولک عقیدے کا پیروکار نہیں ہے۔ چنانچہ اگر اس بات کا برطانیہ کے نظام میں لحاظ رکھا گیا ہے اور وہاں اس کی پابندی کی جاسکتی ہے تو ہمارے ہاں بھی اس اصولی موقف کو اپنانے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کی جانی چاہیے۔[32]

چیف جسٹس کے علاوہ باقی عدالتوں میں ججز کے فرائض غیر مسلم سرانجام دے سکتے ہیں۔ کیونکہ عصر حاضر میں احکام شرعیہ کی تعبیر و تشریح اور قانون سازی کی بنیادی ذمہ داری مقننہ اور اس کے معاون اداروں کی ہوتی ہے، جبکہ عدالتوں کا کام صرف قانون کا اطلاق یا بعض جزوی امور میں ان کی تعبیر کرنا ہے۔ اسی لئے اسلامی نظریاتی کونسل نے اپنی سفارشات میں اس نکتے کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ رائے قائم کی:

"قانون کی باقاعدہ تدوین کے بعد جج کے مسلمان ہونے کی شرط غیر ضروری ہے۔ غیر مسلم جج بھی قانون کو پوری طرح سمجھ لینے کے بعد ہر نوعیت کے مقدمات کا فیصلہ کر سکتے ہیں"[33]

اس کے علاوہ عمومی انتظامی معاملات کی قانون سازی میں غیر مسلموں کو شریک کیا جاسکتا ہے اور خود ان کے پرسنل لاء کی قانون سازی کے لئے ان کے نمائندوں پر مشتمل مجلس بنائی جاسکتی ہے۔ جیسا کہ اصلاحی صاحب لکھتے ہیں:

---

[32] ابو عمار زاہد الراشدی، عدالتی بحران اور وکلا برادری کی جدوجہد، ماہنامہ الشریعہ گوجرانوالہ، اپریل ۲۰۰۷ء، ص:۴

[33] حدود و تعزیرات: اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کا جائزہ، اسلامی نظریاتی کونسل حکومت پاکستان، ص:۹

"البتہ جن امور کا تعلق عام مصلحت یا عام انتظامی معاملات سے ہے ان میں غیر مسلموں کے مشوروں سے بھی حکومت اسی طرح فائدہ اٹھائے گی جس طرح مسلمانوں کے مشوروں سے فائدہ اٹھائے گی، بلکہ ایسے امور سے متعلق قانون سازی کے معاملات میں انہیں شریک بھی کیا جاسکتا ہے۔ علاوہ ازیں غیر مسلموں کو اس بات کا حق دیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے نمائندوں کی ایک ایسی اسمبلی بنالیں جو ان کے مذہبی اور تہذیبی اداروں کی نگرانی بھی کرے اور ان کے پرسنل لاء کے دائرہ کے اندر قانون سازی کے لئے سفارشات بھی مرتب کرے۔"[34]

ابوالحسن الماوردی نے اس حوالے سے ایک نسبتاً منفرد رائے پیش کی ہے کہ ذمہ داری دینے کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک "وزارۃ التفویض" جس میں خلیفہ کی طرف سے وزیر کو خود فیصلہ کرنے کا اختیار دیا جاتا ہے۔ دوسری "وزارۃ التنفیذ" جس میں طے شدہ فیصلوں کو صرف عملاً نافذ کرنے کی ذمہ داری سپرد کی جاتی ہے۔ تو غیر مسلموں کو اسلامی ریاست میں دوسری نوعیت کی ذمہ داری دی جاسکتی ہے۔[35]

ملازمتیں اور عہدے:

اسلام غیر مسلموں کو جو حقوق دیتا ہے ان میں ملازمت اور کمانے کا حق بھی شامل ہے، انہیں مسلمانوں کی طرح کوئی بھی پیشہ اختیار کرنے کی آزادی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دور جدید کے فقہاء چند شرائط کے ساتھ غیر مسلموں کی اسلامی ریاست میں شرکت کو جائز قرار دیتے ہیں۔ مولانا ابوالاعلی مودودیؒ اس حوالے سے تفصیلی لکھتے ہیں:

"غیر مسلم چند محفوظ مناصب کے سوا وہ تمام ملازمتوں میں داخل ہونے کے حقدار ہوں گے اور اس معاملہ میں ان کے ساتھ کوئی تعصب نہ برتا جائے گا۔ مسلمان اور غیر مسلم، دونوں کے لئے اہلیت کا ایک ہی معیار

---

[34] اسلامی ریاست، لاہور، ص ۲۲۶

[35] الماوردی، ابوالحسن، الاحکام السلطانیۃ، دار الحدیث القاہرۃ، ۱۴۲۷ھ، ص ۵۸

ہو گا اور اہل آدمیوں کو بلا امتیاز انتخاب کیا جائے گا۔ محفوظ مناسب سے مراد ایسے مناصب ہیں جو اسلام کے اصولی نظام میں کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔ جن خدمات کا تعلق پالیسیوں کی تشکیل اور محکموں کی رہنمائی سے ہے وہ سب کلیدی اہمیت رکھنے والی خدمات ہیں، اور ایک اصولی نظام میں ایسی خدمات صرف انہی لوگوں کو دی جاسکتی ہیں جو اس کے اصولوں پر اعتقاد رکھتے ہوں۔ ان خدمات کو مستثنیٰ کرنے کے بعد باقی تمام نظم ونسق میں بڑے سے بڑے عہدوں پر بھی اہل الذمہ اپنی اہلیت کے لحاظ سے مقرر کئے جاسکتے ہیں۔ مثلا: کوئی چیز ان میں سے کسی شخص کے اکاونٹ جنرل، یا چیف انجینئر یا پوسٹ ماسٹر جنرل بنائے جانے میں مانع نہیں ہے۔"[36]

مولانا امین احسن بھی غیر مسلموں کے کلیدی مناصب کے علاوہ ہر شعبہ میں ملازمت کے حق میں ہیں اور سلسلے میں اہلیت و قابلیت کو معیار قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بجز کلیدی مناصب (Key Posts) کے، جن کا تعلق سیاسی پالیسی کے تعین سے ہے، یا وہ پالیسی پر براہ راست اثر انداز ہوتے ہیں یا جن سے متعلق فرائض کی انجام دہی کے لئے اسلام اور اسلامی قوانین کے علم و تفقہ کی ضرورت ہے، اسلامی حکومت کے ہر شعبہ میں غیر مسلموں کو ملازمتیں دی جاسکتی ہیں اور ہر درجہ کی ملازمتیں دی جاسکتی ہیں۔ ان مناصب کے علاوہ باقی ہر عہدہ اور ہر چھوٹی بڑی ملازمت کے لئے صرف قابلیت، وفاداری، امانت و دیانت اور حسن کارگردگی کے اوصاف ہی فیصلہ کن شرائط کی حیثیت رکھیں گے۔"[37]

فوج:

کتب سیرت و تاریخ میں ایسے واقعات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اور خلفائے راشدین نے کئی غیر مسلموں کو جنگ میں اپنے ساتھ شریک کیا۔ فتح مکہ کے موقع پر بنی خزاعہ کے مسلم اور غیر مسلم سب رسول اللہ

---

[36] اسلامی ریاست: فلسفہ نظار کار اور اصول و حکمرانی، ص: ۶۲۴

[37] اسلامی ریاست، ص ۲۲۶

ﷺ کے لشکر میں شامل تھے لیکن یہ حملہ رسول اللہ ﷺ نے درحقیقت انہی لوگوں کا بدلہ لینے کے لئے تھا۔ ایران کی فتوحات کے دوران جنگ بویب میں حضرت عمرؓ کے سپہ سالار مثنی بن حارثہ نے عیسائی قبیلہ بنی تغلب کے دو افراد "انس بن ہلال نمری اور ابن مروی الفہر تغلبی" کو بلایا اور ان سے کہا:

" ہم یہ جانتے ہیں کہ تم ہمارے ہم مذہب نہیں لیکن بہر حال تم عرب (ہمارے ہم وطن) ہو۔ اس وجہ سے تم دونوں میرے ساتھ رہنا اور جب مجھے مہران پر حملہ آور دیکھو تو تم بھی میرے ساتھ حملہ کرنا۔"[38]

چنانچہ مہران کو موت کے گھاٹ اتارنے والا ایک نصرانی نوجوان تھا۔ اس معرکہ میں انس بن ہلال نمری مارا گیا۔ اور سپہ سالار مثنی کے بھائی مسعود بن حارثہ نے بھی جام شہادت نوش فرمائی۔ معرکہ کے اختتام پر مثنی اپنے بھائی مسعود اور نصرانی انس بن ہلال دونوں کی لاش کو سینے سے لگایا۔ انھیں دونوں کا یکساں غم تھا۔

اسلامی فقہ میں جہاد کا بنیادی مقصد چونکہ اعلاء کلمۃ اللہ ہے اور یہ جنگ ایک مذہبی جذبے کے ساتھ لڑی جاتی ہے، اس لیے اس میں شرکت یا عدم شرکت کے لیے عقیدے کا سوال بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ غیر مسلم اپنے عقیدے کے لحاظ سے اصولاً جہاد کی انجام دہی کے 'اہل' نہیں، بلکہ ان کا عقیدہ انھیں اسلام اور مسلمانوں کی مخاصمت پر ابھارتا ہے اور اسی لیے قرآن وحدیث میں انھیں مسلمانوں کا دوست سمجھنے اور سیاسی معاملات میں اپنا رازدار بنانے کی ممانعت ہے۔ اسی لیے فقہاء غیر مسلموں سے مسلمانوں کی جنگ میں مدد لینے کو ناپسندیدہ قرار دیتے ہیں اور ان کے نزدیک اس کی گنجائش مخصوص شرائط کے ساتھ کسی عملی مجبوری اور ضرورت کے تحت ہی پیدا ہو سکتی ہے۔ مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

"دوسرے لوگ جو اس اصول پر ایمان نہیں رکھتے، اگر حکومت میں شریک کیے بھی جائیں گے تو نہ وہ اس کی اصولی اور اخلاقی روح کو سمجھ سکیں گے نہ اس روح کے مطابق کام کر سکیں گے اور نہ ان کے اندر ان اصولوں کے لیے اخلاص ہو گا جن پر اس حکومت کی عمارت قائم ہو گی۔..... اگر وہ فوج میں جائیں گے تو ان کی حیثیت کرائے کے

---

[38] محمد حسین ہیکل، عمر الفاروق، ص:۲۱۶

سپاہیوں(Mercenaries) جیسی ہو گی اور وہ ان اخلاقی مطالبات کو پورا نہ کر سکیں گے جو اسلامی حکومت اپنے مجاہدوں سے کرتی ہے، اس لیے اصولاً اور اخلاقی اعتبار سے اسلامی حکومت کی پوزیشن اس معاملہ میں یہ ہے کہ وہ فوج میں اہل ذمہ سے کوئی خدمت نہیں لیتی بلکہ اس کے برعکس فوجی حفاظت کا پورا پورا بار مسلمانوں پر ڈال دیتی ہے۔ اور اہل ذمہ سے صرف ایک دفاعی ٹیکس لینے پر اکتفا کرتی ہے۔ لیکن یہ ٹیکس اور فوجی خدمت بیک وقت اہل ذمہ سے نہیں لئے جاسکتے۔ اگر اہل ذمہ بطور فوجی خدمت کے اپنے آپ کو پیش کریں تو وہ ان سے قبول کرلی جائے گی اور اس صورت میں دفاعی ٹیکس ان سے نہ لیا جائے گا۔"[39]

خلاصہ کلام:

انسان نے اپنی اجتماعی زندگی کی ترتیب و تہذیب کے لئے جو ادارے قائم کئے ہیں ان میں ریاست کا ادارہ سب سے اہم اور بنیادی ہے۔ ریاست وہ ہیئت سیاسی ہے جس کے ذریعہ ایک ملک کے باشندے ایک باقاعدہ حکومت کی تشکیل میں اپنا اجتماعی نظم قائم کرتے ہیں اور اسے قوت قاہرہ اور قوت نافذہ کا امین قرار دیتے ہیں۔ دور جدید میں عملی طریقوں کی ترقی اور اجتماعی زندگی میں نت نئی پیچیدگیوں کے راہ پاجانے کی وجہ سے ریاست کا دائرہ کار برابر بڑھ رہا ہے۔ اب دنیا کے تقریباً تمام ہی ممالک میں ریاست کا کام محض امن و امان اور نظم وضبط قائم رکھنا ہی نہیں بلکہ اجتماعی عدل اور سماجی فلاح کا قیام بھی ہے، آج ریاست نے ایک مثبت کردار اختیار کرلیا ہے اور وہ زندگی کے ہر شعبہ کو متاثر کررہی ہے۔ اسلام نے اپنی پوری تاریخ میں ریاست کی اہمیت کو کبھی بھی نظر انداز نہیں کیا۔ اسلامی ریاست ایک نظریاتی اور اصولی ریاست ہوتی ہے۔ اس میں حاکم اعلی اور مقتدر مطلق اللہ تعالی کی ذات ہوتی ہے، اس نے اپنے آخری رسول ﷺ کے ذریعہ اپنی حاکمیت کا ایک عملی نمونہ بھی دنیا کے سامنے پیش کر دیا

---

[39] اسلامی ریاست: فلسفہ نظار کار اور اصول وحکمرانی، ص:۵۴۹

ہے۔ ایسی ریاست میں مسلم اور غیر مسلم تمام شہریوں میں کامل مساوات ہو گی۔ رنگ، نسل، قبیلہ، علاقہ اور زبان کی بنیاد پر ان کے حقوق میں کوئی امتیاز و تفریق نہ ہو گی۔ اسلام کے نزدیک مذکورہ بالا چیزوں کی بنیاد پر انسانوں میں تفریق بلکل ہی غلط اور بے اصل چیز ہے۔ قرآن مجید کی رو سے تمام انسانی برادری امت واحدہ اور ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہے۔ اللہ تعالی چونکہ کافر و مسلمان سب کا خالق اور رب العالمین ہے اس لئے اس نے اپنی انسانی مخلوق کے لئے جو حکم مقرر کئے ہیں ان میں مسلم اور غیر مسلم سب مساوی الحیثیت ہیں۔ اس نے جس طرح مسلمانوں کے جان و مال، عزت و آبرو اور دیگر بنیادی حقوق کے تحفظ کا حکم دیا ہے۔ اسی طرح غیر مسلموں کے جان و مال، عزت و آبرو اور دیگر بنیادی و انسانی حقوق کا تحفظ بھی لازم ٹھہرایا ہے۔ اسلام نے اپنی غیر مسلم رعایا کو جس قدر حقوق دئے ہیں، وہ ان کو خود اپنی قومی اور ہم مذہب حکومت میں بھی حاصل نہ تھے۔ اسلامی ریاست کے غیر مسلم باشندوں کو مخصوص شرائط کی پابندی کے ساتھ اسلامی ریاست میں سکونت اختیار کرنے کی اجازت اور جان و مال اور مذہبی حقوق کے تحفظ کی ضمانت دی جاتی ہے، تاہم ان کی حیثیت مسلمانوں کی محکوم رعایا کی ہوتی ہے اور وہ سیاسی و قانونی حقوق کے لحاظ سے مسلمانوں کے برابر تصور نہیں کیے جاتے۔ اسلامی حکومت میں کسی بھی غیر مسلم کو کلیدی عہدہ دینا جائز نہیں ہے، البتہ ایسے معاملات جو صرف اقلیتوں (غیر مسلم ذمیوں) سے متعلق ہوں ان کے متعلق مشورہ وغیرہ کے لیے ان سے رائے لی جاسکتی، انہیں پر ان کو ذمہ دار بنایا جاسکتا ہے۔ اس کے برعکس قومی ریاست کے تصور میں کوئی بھی خطہ زمین اصلاً اس ملک کے سبھی باشندوں کی مجموعی ملکیت سمجھا جاتا ہے۔ یہ تصور اپنے مغربی مفہوم میں تقاضا کرتا ہے کہ تمام باشندگان مملکت شہری وسیاسی حقوق کے لحاظ سے مساوی حیثیت رکھتے ہوں اور خاص طور پر عقیدہ و مذہب کی بنا پر شہریوں کے قانونی حقوق میں کوئی تفریق نہ کی جائے۔ اس کے برخلاف مذہبی ریاست ایک مذہب کے ساتھ وابستگی ظاہر کر کے اصولاً اس مذہب کے ماننے والوں کو دوسروں کے مقابلے امتیازی حیثیت عطا کرتی ہے۔ اور ریاست کے مفاد میں ایسا کرنا ناگزیر ہے۔

سفارشات:

- اسلامی ریاست کے لئے ضروری ہے کہ اس کی بنیاد نظریہ خلافت پر قائم ہو، جو خدا کی حاکمیت کو تسلیم کرلے۔ خدا اور اسکے رسول ﷺ کی شریعت کو قانون برتر اور اولین ماخذ قوانین مانے اور حدود اللہ کے اندر رہ کر کام کرے۔
- اسلامی ریاست میں اقتدار کی اصل غرض وغایت خدا کے احکام کا اجراء اور اسکے حکم کے مطابق برائیوں کا استیصال اور بھلائیوں کا فروغ ہے چناچہ اسکے مطابق عمل کو لازمی بنایا جائے۔
- اسلامی ریاست میں اس امر کو یقینی بنایا جائے کہ کلیدی عہدے انہی کے سپرد کئے جائیں جو اس کے اصولوں کو مانتے ہوں۔ اور انہی کو رہنمائی وکار فرمائی کے مناصب دئے جائیں۔
- حکومت اسلامی مسلموں اور غیر مسلموں کے درمیان واضح امتیاز قائم کرے اور واضح توضیح کردے کہ وہ غیر مسلموں کو کیا حقوق دے سکتی ہے اور کیا نہیں۔
- اسلامی نظام میں غیر مسلم عناصر کی موجودگی سے جو پیچیدگی آتی ہے انہیں متعین حقوق کا ذمہ دے کر حل کیا جائے۔
- غیر مسلموں کو وہ تمام حقوق اسی طرح ادا کئے جائیں جس طرح شریعت اسلامی نے ان کے لئے مقرر کئے ہیں۔ البتہ حکومت کو یہ اختیار حاصل ہو کہ وہ ان حقوق کے علاوہ کچھ مزید حقوق انہیں عطا کرسکیں۔ بشرطیکہ یہ اضافہ اسلام کے اصولوں سے متصادم نہ ہو۔
- دیوانی اور تعزیراتی قانون مسلم اور غیر مسلم کے لئے یکساں ہو۔
- غیر مسلموں کے شخصی معاملات ان کی اپنی ملت کے قانون کے مطابق طے کئے جائیں۔ اسلامی قوانین کا نفاذ ان پر نہیں کیا جائے۔
- غیر مسلموں کو ایک الگ نمائندہ مجلس یا اسمبلی بنادی جائے تاکہ وہ اپنی اجتماعی ضروریات بھی اس کے ذریعہ سے پوری کریں، اور ملکی انتظام کے معاملہ میں بھی اپنا نقطہ نظر پیش کرسکیں۔

- علیحدہ مجلس کے ذریعہ وہ اپنے شخصی معاملات کی حد تک قوانین تجویز کرنے کے مجاز ہوں گے، اور اس طرح کی تمام تجاویز رئیس حکومت کی منظوری سے قانون بن سکیں گی۔
- وہ حکومت کے نظم و نسق اور مجلس شوری کے فیصلوں کے متعلق اپنی شکایات، اعتراضات، مشورے اور تجاویز پوری آزادی کے ساتھ پیش کر سکیں گے اور حکومت انصاف کے ساتھ ان پر غور کرے گی۔
- وہ اپنے گروہ کے معاملات اور عام ملکی معاملات کے متعلق سوالات بھی کر سکیں گے، اور حکومت کا ایک نمائندہ ان کے جوابات دینے کے لئے موجود رہے۔
- اقلیت کے مسائل کا حل ڈھونڈنا، اسکے لئے ہر ممکن کوشش کرنا رہنماؤں کے فرائض منصبی میں داخل ہے۔